رابعہ رحمٰن

سکالر پی ایچ۔ڈی (اردو)، اسسٹنٹ پروفیسر، گورنمنٹ ایسوسی ایٹ کالج برائے خواتین، یزمان

پروفیسر ڈاکٹر روبینہ رفیق

چیئرپرسن، شعبۂ اردو، دی اسلامیہ یونیورسٹی آف بہاولپور

آغا بابر کے افسانوں کا موضوعاتی مطالعہ

Rabia Rehman

Ph.D. Scholar (Urdu), Assistant Professor (Urdu), Govt. Associate College for Women, Yazman

Prof. Dr. Robina Rafiq

Chairperson, Department of Urdu, The Islamia University of Bahawalpur.

Subjective Study of Agha Baber's Short Stories

One of the striking and significant name of Urdu Fiction in forties was Agha Baber. He is known as fictionist, Playwriter, Columnist, Interpreter and Autobiographer, but his real recognition is his fiction writing. Agha Baber belongs to that era of Pakistan's Fiction in which variety of subjects and techniques were introduced by the legendary fictionists. Agha Baber's major themes are human Physiology, emotions and sentiments. He enlighted the hidden corner of human mind and psychology in his fiction. He discussed "Sex" ewelessly. He is known for his erotic aspects in fiction.

This research article sightfully evaluate the subject matters of his fiction work.

Keywords: *Agha Baber, Fiction, Legendary, Psychology, Sex, Rcognization, subject matter.*

اُردو افسانے میں چالیس کی دھائی میں کئی ایسے افسانہ نگار اُبھرے جنہوں نے اُردو افسانے کی ثروت میں اضافہ کیا اور نئے اور منفرد موضوعات اور تکنیکوں کو افسانہ نگاری میں برتا۔ ان بڑے افسانہ نگاروں میں کرشن چندر، بیدی، غلام عباس، احمد ندیم قاسمی، منٹو، ہاجرہ مسرور وغیرہ کے نام سرِ فہرست ہیں۔ ان افسانہ نگاروں نے کئی ایسے

ISSN (**Print**): 2709-9636 | ISSN (**Online**): 2709-9644
Volume 2, Issue IV, (October to Decmber 2021)

افسانے تخلیق کیے جنہیں اُردو ادب کی تاریخ میں شاہکار کی حیثیت حاصل ہوئی۔ اگر اس دور کو اُردو افسانے کا زرّیں عہد کہا جائے تو بے جا نہ ہو گا۔ جب یہ افسانہ نگار افسانے کے پیکر میں نت نئے تجربات کی روح پھونک رہے تھے۔ اسی زرّیں عہد میں انفرادی نقوش کے ساتھ جو افسانہ نگار و مطلع ادب پر طلوع ہوئے۔ ان میں سے ایک آغا بابر ہیں۔ آغا بابر افسانہ نگار کے ساتھ ساتھ ڈراما نگار، مترجم، آپ بیتی نگار اور کالم نگار بھی تھے۔ آغا بابر نے اپنے تخلیقی سفر کا آغاز تو بحیثیت شاعر کیا مگر جلد ہی نثر کی طرف لوٹ آئے۔ انہوں نے افسانہ نگاری کا آغاز حلقہ اربابِ ذوق کی مجلسوں سے کیا۔ آغا بابر حلقہ کے بنیادی اراکین میں شامل تھے۔ آغا بابر نے ۶۰ سال سے زیادہ عرصہ تخلیق ادب میں گزارا۔ ان کے افسانوی مجموعوں کی تعداد پانچ ہے۔(۱) چاکِ گریباں، (۲) لبِ گویا، (۳) پھول کی کوئی قیمت نہیں، (۴) اُڑن طشتریاں، (۵) کہانی بولتی ہے۔

آغا بابر کے افسانے زندگی کی خارجی و باطنی حقیقتوں کو بے نقاب کرتے ہیں۔ آغا بابر کا مشاہدہ بہت عمیق ہے۔ ان کی بصیرت اور بصارت سے زندگی اور معاشرے کا کوئی گوشہ پنہاں نہیں رہتا۔ ان کے مزاج کی تحیر پسندی اور تماش بینی انہیں نقد مائل بہ داستان رکھتی ہے۔ چنانچہ وہ جس واقعے سے جتنی شدت کے ساتھ متاثر ہوتے ہیں، اتنی شدت کے ساتھ ان کے ذہن کے پردے پر کہانی کا خاکہ جلوہ گر ہونے لگتا ہے اور یہ لمحہ وفورِ جذبات میں اس طرح گندھا ہوتا ہے کہ پل بھر میں کہانی تخلیق ہو جاتی ہے۔

آغا بابر فطرتاً افسانہ نگار ہیں۔ کہانی کار میں جستجو کا جو مادہ ہونا چاہیے وہ آغا بابر میں بدرجہ اُتم موجود ہے۔ زندگی کے چھوٹے چھوٹے واقعات پر ان کی نگاہ گہری ہے اور وہ لمحے ان کے اندر کے موسموں سے ہم کلام رہتے ہیں۔ چھوٹے چھوٹے اور کم وقعت واقعات ان کے قلم کے کرشمے سے کہانی کی صورت اختیار کر کے قلب و نظر کو بے تابی عطا کر دیتے ہیں۔ کہانی کے قاری کو وہ اپنی بے تکلّفانہ چھیڑ چھاڑ سے اپنا دوست بنا لیتے ہیں۔

آغا بابر کا کمال یہ ہے کہ وہ زندگی کے مسائل، میلانات اور رویوں سے گھبراتے اور فرار کا راستہ اختیار نہیں کرتے بلکہ ان کی پیچیدگیوں، مشکلات اور اُلجھنوں کا لطف لیتے ہیں۔ اس کے مختلف رنگوں کا مشاہدہ کرتے ہیں۔ اس لیے ان کی کہانیوں میں زندگی اپنی تمام تر رنگوں اور جلوہ سامانیوں کے ساتھ جلوہ گر ہوتی ہے۔ چونکہ ان کے تجربات میں تنوع اور رنگا رنگی ہے اس نے ان کے افسانوں میں بھی رنگا رنگی پائی جاتی ہے۔ آغا بابر کا کینوس بڑا وسیع ہے۔ زندگی سے لیے گئے یہ افسانے معاشرتی طرزِ زندگی کے ترجمان ہیں۔ آغا بابر کا تعلق انسانی زندگی

ISSN (**Print**): 2709-9636 | ISSN (**Online**): 2709-9644
Volume 2, Issue IV, (October to Decmber 2021)

اور معاشرے سے بہت گہرا ہے۔ اسی لیے ان کے افسانوں میں زندگی کے بے شمار پہلو مختلف صورتوں میں جلوہ گر ہوتے ہیں۔

آغا بابر اپنے تیسرے افسانوی مجموعے کے حرفِ آغاز میں اپنے افسانوی عقیدے کا ذکر ان الفاظ میں کرتے ہیں:

"افسانہ لامحالہ زندگی سے پیدا ہوتا ہے۔ جو افسانہ زندگی سے پیدا نہیں ہوتا وہ افسانہ نہیں، کچھ نہیں یہ میرا عقیدہ ہے۔"(۱)

آغا بابر انسانی زندگی، نفسیات اور جذبات و خواہشات کے نباض ہیں۔ ان کی عمیق نگاہ ذہن و دل کے پردوں کو بے نقاب کرتی ہوئی ان خواہشوں، آرزوؤں اور تمنّاؤں کو سامنے لے آتی ہے جنہیں بالعموم اظہار کا موقع میسر نہیں آتا یا جنہیں انسان ڈر کی وجہ سے خوف کے پردے میں لپیٹے رکھتے ہیں۔ زندگی کے ملفوف اور چھپے ہوئے گوشوں کو بے نقاب کرنے کی روایت اُردو افسانے کی تاریخ میں منٹو سے شروع ہوتی ہے۔ منٹو وہ شخص تھا جس نے ادیبوں اور افسانہ نگاروں کو آنکھیں چرانے والی کیفیت سے آزاد ہونے کی جرأت بخشی۔ سعادت حسن منٹو کے بعد آغا بابر کا شمار بھی انہی افسانہ نگاروں میں کیا جاسکتا ہے جنہوں نے حقائق کو ان کی جزئیات کے ساتھ پیش کیا۔ انہوں نے منٹو کی اس روایت کو آگے بڑھاتے ہوئے زندگی کے تلخ اور شیریں حقائق کو اپنے افسانوں کا موضوع بنایا اور حقائق بھی وہ کہ جن کی پردہ پوشی کی جاتی ہے۔

آغا بابر نے منٹو کی طرح جرأت، بے باکی اور بے خوفی سے ان کا اظہار اپنے افسانوں میں کیا ہے۔ آغا بابر کے افسانوں کے موضوعات میں جنس، انسانی نفسیات، فسادات، آزادی، شہری زندگی کے مسائل اور اُلجھنیں، نچلے طبقے کے مسائل، فنونِ لطیفہ کا لطیف احساس، محبت کی طاقت اور لطافت کا بیان، طوائف، مذہبی انتہاپسندی اور سنگین سماجی مسائل کا شور شامل ہیں۔

آغا بابر کا سب سے بڑا موضوع جنس ہے۔ یہ آغا بابر کا پسندیدہ موضوع ہے اور ان کے فن کا سرمایہ ہے۔ آغا بابر کے نزدیک جنس انسانی زندگی کی ایک ایسی حقیقت ہے جس سے نظریں چُرانا حقیقت کو جھٹلانے کے مترادف ہے۔ ان کے خیال میں ایک سچا افسانہ نگار زندگی کی کیفیتوں کو جس طرح محسوس کرتا ہے اسے اس طرح پیش کر دیتا ہے۔ ان کے بیشتر افسانے اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ اگر زندگی کے دوسرے پہلوؤں کے ساتھ ساتھ کوئی جنسی مسئلہ بھی ہے تو وہ بلا جھجک بیان کر ڈالتے ہیں۔

تاہم جنس کو اہمیت دینے کے باوجود ان کے ہاں جنس کا یہ اظہار محض جنسی خواہش کی لذت تک محدود ہے۔ جنسی جبلت کے پس منظر میں جو نفسیاتی اُلجھنیں کار فرما نظر آتی ہیں وہ آغا بابر کے ہاں کم کم دکھائی دیتی ہیں اوران کا مطالعہ محض جسمانی تقاضوں کے گرد گھومتا دکھائی دیتا ہے۔

"اب کوئی عشرت ایسی نہیں رہی جس سے میں لطف اندوز ہوتی طبیعت میں تنوع اس طرح رچ گیا ہے کہ جب کسی مرد سے دوستی لمبی ہو جاتی تو میرا دل کسی نئے مرد کو چھونے کا خواہش مند ہو تا ہے تو میں اس کے ساتھ سینما چلی جاتی ہوں۔ لوگ قطاروں میں بیٹھے ہوتے ہیں۔ میں ان کے بیچوں بیچ کسی نہ کسی بہانے سے گزرتی ہوں۔ کیوں کہ گھٹنے میرے کولہوں سے رگڑ کھاتے ہیں اور کئی شریر جان بوجھ کر ٹھونسا دیتے ہیں۔ اس طرح میرا تنوع پسندی کا جذبہ ایک گونہ تسکین پاتا ہے۔"(۲)

ڈاکٹر سلیم اختر ان کے ہاں جنس کے اس محدود تصور کا ذکر کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

"آغا بابر نے پردہ میں بیٹھی اور ڈھکی چھپی عورت کے جنسی معاملات سے خصوصی دلچسپی کی لیکن تمام عمر جنس کے بارے میں گہرے نفسیاتی شعور کا احساس نہیں ہوتا۔"(۳)

افسانے کے معروف ناقد ڈاکٹر انوار احمد بھی ان کے افسانوں میں موجود جنس کو جسمانی تقاضوں تک محدود خیال کرتے ہیں۔ وہ اس ضمن میں لکھتے ہیں:

"آغا بابر (کے ہاں جنس) محض جسمانی تقاضوں تک محدود رہتا ہے۔ بہر طور یہ آغا بابر کا مرغوب مشغلہ ہے اور بنیادی طور پر یہی اس کے افسانے کی متاع ہے۔"(۴)

جسمانی تقاضوں تک محدود جنس کا یہ جذبہ مرد وزن دونوں کے ہاں دکھائی دیتا ہے۔ البتہ آغا بابر نے عورتوں اور بالخصوص ڈھلتی ہوئی عمر کی عورتوں کے جنسی مسائل کو زیادہ بہتر انداز میں بیان کیا ہے۔ یہی موضوع ان کی شناخت کا باعث بھی بنا۔ آغا بابر کے افسانوں کی ڈھلی ہوئی عمر کی عورت روایات کی پاس داری نہیں کرتی بلکہ بغاوت کو پسند کرتی ہے، وہ بہت بے باک ہے جسے معاشرتی بندھن جکڑ نہیں سکتے کیوں کہ وہ زندگی کے نشیب و فراز سے گزر کر زندگی کا مفہوم سمجھ چکی ہے۔

آغا بابر خود اس بات کا اظہار کرتے تھے کہ میں کم عمر اور الہڑ دوشیزاؤں کو اپنے افسانے کا موضوع نہیں بناتا:

ISSN (**Print**): 2709-9636 | ISSN (**Online**): 2709-9644
Volume 2, Issue IV, (October to Decmber 2021)

"کہ میں نے دستِ حنائی اوررُخِ روشن رکھنے والی الہڑ دوشیزہ اوربِنتِ عم کے شباب سے اپنے افسانوں کاایوان سجانے سے گریز کیاہے۔"(۵)

ڈاکٹر انواراحمد بھی اس حوالے سے اپنی رائے کااظہار یوں کرتے ہیں:

"آغابابر کے افسانے زیادہ دلچسپ ہیں کیوں کہ ان کے ہاں پختہ عمرکامرد نہیں بلکہ کھیلی کھلائی عورت کے مطالعے کاموضوع بنتی ہے۔"(۶)

"باجی ولایت"، "خالہ تاج"، "پھیلتاہواکاجل"، "نسوانی آواز"، "قصرِ شیخ"، "گریز"، "الائچیاں اورلونگ" اور "کڑوی بیل" ان کے اس حوالے سے نمائندہ افسانے ہیں جن میں عورت اپنی جنسی ناآسودگی کی تسکین مختلف ذرائع سے کرتی ہے۔

آغابابر کامشہورافسانہ "خالہ تاج" بھی اس سلسلے کی کڑی ہے۔ یہ افسانہ "سیپ" کے شمارہ نمبر ۱۲ میں شائع ہواتھا۔ اس کی شمولیت کی وجہ سے "سیپ" کاوہ شمارہ ضبط کرلیاگیاتھا۔ اس افسانے کی ہیروئن خالہ تاج ایک ایسی ادھیڑ عمرخاتون ہے جو ایک عرصے سے مطلقہ رہ کر بھی کسی کی دوسری بیوی بن جاتی ہے۔ وہ جنس کی آگ میں مسلسل پگھل رہی ہے۔ وہ اپنی تسکین کاسامان مختلف طریقوں سے کرتی ہے اور اس ضمن میں ہر طریقے کو جائز سمجھتی ہے۔ اگرچہ اسے مذہب کاخوف اور ڈرہے تاہم اپنی شدید جنسی طلب کے سامنے وہ کسی کی پروانہیں کرتی۔ وہ اپنی فطرت کے ہاتھوں اس قدر مجبور ہے کہ کسی شے کو بھی درخوراعتنانہیں سمجھتی۔

"خالہ تاج" گناہ کے دلدل میں پھنسے رہنے کے باوجود ضمیر کی عدالت میں سرخرو ہے۔ حقیقت میں دیکھا جائے تواس افسانے کے نسوانی کردار خالہ تاج، بزرگ عورت (ماں) اور سراج (بیٹی) بہ یک وقت ایک ہی سطح پر جنسی جذبے سے مغلوب ہیں اوران کی تسکین کسی ایک مرد تک محدود نہیں بلکہ وہ خوب سے خوب تر کی تلاش میں سرگرداں دکھائی دیتی ہیں۔ یہاں تک کہ افسانے کے آخر میں جب خالہ تاج ایک ایسی لڑکی سے ملتی ہے جو پورے دنوں سے بیٹھی ہے۔ لڑکی کی ماں خالہ تاج کو بتاتی ہے کہ اس کی بیٹی پورے بارہ سال بعد اُمید سے ہوئی ہے۔ اس پر خالہ تاج اسے بڑے فخریہ انداز میں کہتی ہے کہ:

"خالہ تاج نے بیٹھے بیٹھے اپناسینہ اکڑایااوراپنے ہاتھ کو فخر اور پیار سے اپنے پیٹ پر رکھ کر بولی "نہیں مجھے پندرہ سال بعد اور اس عمر میں ہوا ہے۔"(۷)

ISSN (**Print**): 2709-9636 | ISSN (**Online**): 2709-9644
Volume 2, Issue IV, (October to Decmber 2021)

"باجی ولایت" بھی آغا بابر کا ایک ایسا افسانہ ہے جس میں انہوں نے ایک ایسی عورت کی داستان بیان کی ہے جسے اس کا خاوند چھوڑ چکا ہے۔ باجی ولایت نے اپنی اس حالت کو زندگی کا روگ بنانے کی بجائے اپنے خاوند کی جدائی کا بدلہ اپنے جسم کے ایک ایک انگ سے لیتی ہے۔ وہ جنسی تلذذ حاصل کرنے کے لیے ایک ایسے مرد کی خواہش کرتی ہے جو ہر لمحہ اس کی طلب کو پورا کر سکتا ہے۔ اس آگ میں معاشرتی اوراخلاقی اقدار سب جل کر بھسم ہو جاتی ہیں مگر باجی ولایت کو اس کی پراہ نہیں۔ وہ جنس کی اس آگ کو ٹھنڈا کرنے کے لیے کوئی بھی قدم اٹھاسکنے پر قادر ہے۔ یہاں تک وہ اپنے جسم کی آگ کو ٹھنڈا کر کے جس مرد (نواز) کے ساتھ اپنا تعلق پیدا کرتی ہے بعد میں اُس کے ساتھ اپنی بیٹی کا بیاہ رچادیتی ہے۔ زچگی کے عالم میں جب اس کی بیٹی اس دنیا سے چل بستی ہے تو نواز کے ساتھ ہمیشہ رہنے کا اسے جواز مل جاتا ہے۔ باجی ولایت اس ہنر میں طاق ہے کہ مرد کے منجمد جذبات کو کس طرح پگھلایا جاسکتا ہے اور کس طرح ہمہ وقت اپنی جنسی آگ بجھانے کے لیے متحرک رکھا جاسکتا ہے۔

آغا بابر افسانہ "باجی ولایت" کے شروع میں لکھتے ہیں:

"عورت اچھی بھلی حالت میں وہ کچھ کر سکتی ہے۔ جو مرد نشے میں بھی نہیں کر سکتا۔"(۸)

حقیقت میں بدلتے ہوئے معاشرے کی یہ ایسی عورت ہے جو معاشرتی گھٹن اور جبر کا شکار نہیں بلکہ بغاوت پر آمادہ عورت ہے جو اپنی مرضی کے مطابق ہر کام انجام دینا چاہتی ہے اور اس کے سہارے اسے سب اقدار کو پامال کرنے میں مزہ ملتا ہے۔

آغا بابر کا کمال یہ ہے یہ وہ انسانی فطرت کے رمز شناس ہیں۔ ان کا مشاہدہ غضب کا ہے۔ وہ جذباتی کش مکش سے پیدا ہونے والی نفسیاتی کیفیتوں کو بھی انتہائی چابک دستی اور مہارت سے اپنے افسانوں میں پیش کر دیتے ہیں۔ یہی خوبی آغا بابر کے افسانوں کی نمائندہ خصوصیت بن کر اُبھری اور ان کی شناخت کا وسیلہ ٹھہری ہے۔

ڈاکٹر انور سدید لکھتے ہیں:

"آغا بابر کے افسانوں میں جنس فطرت کا منہ زور جذبہ بن کر ابھری ہے۔ انہوں نے اس قوت کو بے جاں زیاں نہیں کیا اور اسے تعمیر فطرت میں استعمال کرنے کی کوشش کی ہے۔"(۹)

آغا بابر کے اکثر و بیشتر افسانوں میں جنسی اور جذباتی رویوں میں نفسیاتی کیفیت مدغم ہوتی دکھائی دیتی ہے۔ یہ نفسیاتی کیفیت مختلف کرداروں کی صورتیں، عادتیں، رویے اور میلانات سامنے لانے کا محرک بن جاتی ہے۔

ISSN (**Print**): 2709-9636 | ISSN (**Online**): 2709-9644
Volume 2, Issue IV, (October to Decmber 2021)

آغا بابر کے افسانے "پھیلتا ہوا کاجل" میں نفسیاتی کیفیت کی ہمہ رنگی پورے جوبن پر ہے۔ اس کہانی کا مرکزی کردار سلیمہ خود پرستی اور نرگسیت کا شکار ہے۔ اس کے چاہنے والوں کی ایک لمبی قطار ہے مگر وہ کسی کو خاطر میں نہیں لاتی۔ اسے اس وقت سے خوف آتا ہے جب عورت کے بال سفید ہو جاتے ہیں اور اس کے پھل پک کر گر جاتے ہیں۔ معاشرے کی خودکار مشین ایسے فالتو، ناکارہ جانتے ہوئے اگلی قطار سے پچھلی قطار میں پھینک دیتی ہے۔ سلیمہ ہر وقت ایک خیالی دنیا میں گم رہتی ہے۔ اس کی خود ستائی ایک مرض کا روپ اختیار کر لیتی ہے۔ وہ اپنے اس جذبے کی تسکین کے لیے کئی لڑکوں کو اپنے دام میں اسیر رکھتی ہے۔ اس کے کردار کی منفیت اس سے ظاہر ہوتی ہے کہ وہ مردوں سے نفرت کرتی ہے۔ اس کی جنسی جبلت نئے طبقے میں ظہور کرنے لگتی ہے اور عروج نامی لڑکی کو اپنی جسمانی تسکین کے لیے استعمال کرتا ہے۔

آغا بابر کے ہاں جنسی تلذذ کے کئی رنگ ہیں اور اس کی صورتیں ایک دوسرے سے جدا ہیں۔ عورت کی جنسی نفسیات کی تہہ در تہہ گتھیوں اور نفسیاتی پیچیدگیوں پر آغا بابر کا ایک اور افسانہ "مواد" ہے۔ مواد کی ایگی آغا بابر کے جنسی موضوع کی ایک منفرد صورت سامنے لاتی ہے۔ ایگی کی باتیں عریانیت اور فحاشی کی حد تک کھلی اور بے باک ہیں۔ وہ مختلف جنسی کیفیات کی تاثیر اور اداؤں سے مکمل طور پر آشنا ہے۔ یکسانیت سے اس کی طبیعت گھبراتی ہے۔ وہ اپنی اس متحرک طبیعت اور ہمہ رنگ مزاج کے باعث نئی راہوں کی تلاش میں رہتی ہے۔

آغا بابر کے افسانوں کے جنسی موضوعات سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ انہوں نے عورتوں کے جنسی مسائل کو نہایت بے باکی اور وضاحت سے بیان کیا ہے۔ جنسی مسائل اور میلانات یکساں نہیں بلکہ ان میں تنوع اور رنگارنگی پائی جاتی ہے۔ ان کے افسانوں کے مطالعہ سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ جنسی جذبہ کس طرح نت نئی صورتیں اختیار کرتا ہے۔ جنسی جذبے کی مختلف شکلیں ہمیں ان کے افسانوں میں دکھائی دیتی ہیں۔

ان کے جنسی موضوع کی ایک نئی صورت ان کے افسانے "گریز" کی مرکزی کردار شمی ہے۔ شمی ایک بدصورت سیٹھ کی بیوی ہے۔ وہ اپنے آپ کو ایک مظلوم عورت سمجھتی ہے۔ اپنی اس مظلومیت کا بدلہ لینے کے لیے یہ بیاہتا عورت روزانہ اپنی سہیلی کے گھر جا کر اس کے نوجوان کزن کو اپنے پاؤں چومنے اور پھر اس کے بدن کی تسخیر کی اجازت دیتی ہے۔ جسمانی آسودگی کے لیے وہ یہ راہ اس لیے اختیار کرتی ہے کہ وہ خود کو مظلوم سمجھتی ہے اور ایسا کر کے وہ سیٹھ کی بدصورتی سے انتقام لیتی ہے۔

آغا بابر کے افسانوں میں جنس کے بعض حسیاتی پہلو بھی کہیں کہیں نمایاں ہوئے ہیں۔ اس حوالے سے ان کا افسانہ "نسوانی آواز" اہمیت کا حامل ہے۔ اس افسانے میں انہوں نے جنس کے حسیاتی پہلو کو پیش کیا ہے کہ کس طرح مختلف بیاہتا عورتیں ٹیلی فون پر ایک رائٹر سے ہنسی مذاق کر کے اپنی جنسی خواہش کی تسکین کرتی ہے اور یہی نسوانی آوازیں اس رائٹر جاوید حیدر کے جنسی جذبات کو برانگیجنت کرتی ہیں اور وہ عورت کے قرب کا خواہش مند ہو جاتا ہے۔

اس افسانے میں آغا بابر نے نئے عہد کے تقاضے بھی بیان کیے ہیں۔ پچھلے زمانے میں مرد عورت کے پیچھے بھاگتا تھا اب اس زمانے میں عورتیں مردوں کا تعاقب کرتی ہیں۔

> "ہمارے وقتوں میں نر مادہ کو تنگ کیا جاتا تھا اب ہم دیکھتے ہیں مادہ نر کو تنگ کرتی ہے۔ فی میل (Female) کے لیے میل (Male) کا جانا تو سمجھ میں آسکتا ہے۔ جنگل کا قانون ہے مگر فی میل کا میل کے پیچھے جانا ناقص عمل ہے۔"(۱۰)

اس افسانے کے مختلف کرداروں کی الگ الگ دنیا ہے اور ہر کردار جنسی جذبے سے مغلوب ہے اور ہر کوئی اپنی اپنی تسکین چاہتا ہے۔ یہ افسانہ اس حقیقت کا کھلا اظہار ہے کہ عورت قدرت کی ایک ایسی تخلیق ہے جو مرد کی زندگی میں جان ڈال دیتی ہے۔

افسانے کا کردار نواب بیگم ایسا متحرک کردار ہے جس کو دیکھنے سے روحانی اور جسمانی سکون میسر آتا ہے۔

> "عورت بھی خدا کا کتنا بڑا نایاب تحفہ ہے جو مرد کے لیے اس نے تخلیق کیا۔ عورت واقعی انسانی رغبت کے اعتبار سے کتنی مرغوب ترین شے ہے۔ اس کو صرف دیکھ لینے سے کس قدر روحانی اقدار اور جسمانی سکون حاصل ہو جاتا ہے۔"(۱۱)

یوں یہ افسانہ ڈھلی ہوئی عمر کے مرد اور عورت کے اندر موجود جنسی خواہشات و میلانات کی ترجمانی کرتا ہے۔ عمر کے اس حصے میں یہ جذبہ اور فراغت انسان کو کیا کیا سوچنے اور کرنے پر آمادہ کرتی ہے۔ اس کا بھرپور اظہار اس افسانے میں ملتا ہے۔

جنس کے ساتھ عورت کی نفسیات بھی ایک اہم موضوع نظر آتا ہے۔ اس حوالے سے چاہے "قصرِ شیخ" افسانے کی بیگم شیخ کی نفسیات کی ترجمانی ہو یا "تعجب" کی ۳۲ سالہ قمر کی نفسیاتی کیفیت ہو یا "غرّارہ" افسانہ کی مسز

مشتاق کی نفسیات اور جنسی خواہش ہو، "الا نچیاں اور لونگ" کی مسز دستگیر کی جنسی خواہشات اور نفسیاتی کیفیت ہو۔ آغا بابر نے ہر افسانے میں اس موضوع کو احسن انداز میں نبھایا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عورتوں کی نفسیاتی کیفیت اور جنسی خواہشات ہی آغا بابر کے افسانوں کی شناخت بنے اور انہوں نے اس موضوع کو مختلف رنگوں میں کہانی کے پیرائے میں قاری تک پہنچانے کا فرض بھی ادا کیا۔ آغا بابر نے جس باریک بینی کے ساتھ عورتوں کے جنسی جذبوں کی نادر اور شاہکار تصویریں اپنے افسانوں میں جابجا پیش کی ہیں۔ یہ مناظر عام دیکھنے والوں کی نگاہ سے پوشیدہ رہتے ہیں اور ان کی دیکھنے کی یہ ایک مخصوص عینک استعمال کرنی پڑتی ہے۔

"اُڑن طشتریاں" کے دیباچے میں آغا بابر لکھتے ہیں:

"آپ یہاں ایک ایسی عورت سے متعارف ہوں گے جن کو میں اُڑن طشتریاں سمجھتا ہوں کہ دیکھنے والوں کی نگاہوں سے اس کے بہت سے پہلو اُوجھل رہتے ہیں۔ وہ کسی کسی کو دکھائی دیتے ہیں۔ اُڑن طشتریاں شخصیتوں کو زندگی کے پردے پر دیکھنے کے لیے خاص عینک لگانی پڑتی ہے۔"(۱۲)

آغا بابر نے اپنے افسانوں میں عورت کے اُس رُخ کو پیش کیا ہے جو بظاہر خود کو مظلوم سمجھتی ہے مگر درحقیقت ایسا نہیں۔ وہ اپنی مظلومیت کا بدلہ اپنی جنسی تسکین کے ذریعے حاصل کرتی ہے۔ اس نے مرد کو اپنے جنسی جذبے کی گرفت میں قید کر لیا ہے کہ وہ اب اس کی ہر خواہش پوری کرنے پر مجبور ہے۔ عورت اپنی اس بے باکی اور دلیری کے باوجود مرد کے پیار کی محتاج ہے۔ عورت کو اس بات کا اندازہ ہے کہ عورت مرد کی بنیادی کمزوری ہے۔ عورت اپنی چالاکی اور ہوشیاری سے مرد کی بنیادی کمزوری کا فائدہ اٹھاتی ہے اور اسے اپنے مقصد کی تکمیل کے لیے استعمال کرتی ہے۔

آغا بابر نے جہاں ادھیڑ عمر کی عورتوں کے جنسی جذبات کو اپنے افسانوں کا موضوع بنایا وہیں پختہ عمر کے مرد کے جنسی جذبات پر بھی انہوں نے افسانے لکھے۔ آغا بابر کے ایسے افسانے جن میں موضوع مرد کے جنسی جذبات ہیں درج ذیل ہیں "چٹھی رساں"، "چارلس ہیجڑا"، "بڑے میاں سو بڑے میاں"، "بیگانہ غم"، "زندگی کی شام"، "سروے"، "پرنس تلی"، "شہسوار"، "روشنی کا ڈبا"، "نسوانی آواز" اور "مرد کا فولاد"۔

آغا بابر کے افسانے "چٹھی رساں" کا مرکزی کردار گلاب دین جو بظاہر صوم وصلوٰۃ کا پابند ہے۔ مگر جب اس کی ڈیوٹی ہیرا منڈی میں لگتی ہے تو اس کو اپنا ایمان خطرہ میں محسوس ہوتا ہے اور وہ ملازمت چھوڑنے یا تبادلہ

ISSN (**Print**): 2709-9636 | ISSN (**Online**): 2709-9644
Volume 2, Issue IV, (October to Decmber 2021)

کے لیے کوششیں کرتا ہے۔ جب وہ اس ماحول کی رنگینیوں اور خوب صورتیوں کو دیکھتا ہے تو وہ ماحول اس پر پوری طرح منکشف ہوتا ہے تو اسے لذت محسوس ہونے لگتی ہے۔ اس افسانے کے ذریعے آغا بابر نے اس بات کی وضاحت کی ہے کہ انسانی فطرت کو کتنے ہی پردوں میں لپیٹ دیا جائے مگر جو نہی اس کو موقع میسر آئے گا وہ بے نقاب ہو جائے گا۔ چنانچہ گلاب دین کا جب وہاں سے تبادلہ کیا جاتا ہے تو وہ اس جگہ کو چھوڑنے کے لیے آمادہ نہیں ہوتا کیوں کہ اس جگہ اس کی جبلی اور جنسی تسکین کا سامان موجود ہے، اس لیے وہ اپنے بڑے صاحب کو التجا کرتا ہے کہ اس کا تبادلہ نہ کیا جائے۔ حالانکہ پہلے جب اس کو اس جگہ متعین کیا گیا تو وہ التجا لے کر صاحب کے سامنے پیش ہوا کہ وہاں میرے ایمان کو خطرہ ہے۔

آغا بابر کے افسانوں کے جنسی موضوع کا ایک نیا اور منفرد زاویہ تیسری صنف کے احساسات اور میلانات کی عکاسی سے سامنے آیا ہے۔ "تیسری جنس" جس کو ہمارے معاشرے میں بے وقار اور بے عزت درجہ دیا جاتا ہے اور ان کو اپنی جنسی تسکین کے لیے استعمال بھی کیا جاتا ہے۔ اس معاشرے میں کئی نوجوان جو مردانہ طاقت ہونے کے باوجود خود کو تیسری جنس کے دائرہ میں شامل کر کے اپنی جنسی تسکین اور لذت حاصل کرتے ہیں۔

اس طرح کا افسانہ "چارلس ہیجڑا" ہے۔ چارلس ہیجڑا نہیں ہے لیکن اپنی وضع قطع اور حرکات وسکنات سے خود کو ہیجڑا اظاہر کیا ہوا ہے۔ اپنی وضع قطع کو اس خاص صوت میں ڈھالنے کا اس کا مقصد محض اپنے جنسی جذبات کی تسکین کرتا ہے۔ وہ کئی گھروں کے رازوں سے واقف و آگاہ ہے۔ وہ معاشرے کے کئی لوگوں کی جنسی تسکین کا ذریعہ بنتا ہے اور اس کی اپنی جنسی ہوس بھی پوری ہوتی ہے۔ بعد میں پتا چلتا ہے وہ ہیجڑا نہیں تھا۔ اس افسانے کے ذریعے آغا بابر نے ہمارے معاشرے میں موجود جنس کے اظہار کی اس قبیح صورت کو بے نقاب کیا ہے۔

آغا بابر کے نزدیک جنس ہزار روپ دھارتی ہے اور یہ جنسی جذبہ کسی حدود و قیود کا پابند نہیں بلکہ وہ تمام معاشرتی بندھنوں کو توڑنا اپنا فرض اوّلین سمجھتے ہیں۔ آغا بابر کا افسانہ "سروے" ان کے بنیادی افسانوی موضوع جنس کے ایک نئے زاویے کو سامنے لاتا ہے۔ یہ افسانہ سعادت حسن منٹو کے مشہور افسانے "بُو" کی یاد دلاتا ہے۔ افسانے کا مرکزی کردار صالح "سروے" کی تھکا دینے والی ڈیوٹی کے بعد جب ڈاک بنگلے میں پہنچتا ہے تو اپنی جنسی تسکین ڈاک بنگلے میں آئے ہوئے بزنس مین کی بیوی کے کپڑوں کی بُو سے کرتا ہے۔ یہ خوشبو ناک کے راستے اس کے دل و دماغ میں ایسی بس جاتی ہے کہ وہ اس سے پیچھا نہیں چھڑا سکتا۔ اس بُو نے اس کے تھکے ہوئے اعصاب کو اپنی آغوش

راحت میں لے لیا۔اس کو یوں محسوس ہوتا کہ جیسے عورت اس کے ساتھ آ گئی۔اَن دیکھے نسوانی بدن کی میٹھی میٹھی بُواس کے اعصاب پر سوار ہو جاتی ہے اور وہ اپنی پتلون کی جیب میں اس احساس کو چھپالیتا ہے۔

"اس بُو نے جیسے اس کے تھکے ہوئے اعصاب کو اپنی آغوش راحت میں لے لیا۔اُس نے قمیض دونوں ہاتھوں لٹکا کر دیکھی پھر احتیاط سے اُسے فرش پر بچھا دیا۔پھر اسٹینڈ سے شلوار اُٹھا کر قمیض کے نیچے اس انداز سے رکھی جیسے نمائش کا کوئی شو کیس سجا رہا ہو۔پھر اس کے ہاتھ میں ڈوری آئی جس سے دو گول گول کوزے منسلک تھے جن کو وہ قمیض کے اندر بازوؤں کے درمیان سجا کر پہننے والی کے قد آور جسم کا سروے کرنے لگا۔"(۱۳)

جنسی مسائل کو لکھتے ہوئے آغا بابر کے بیان میں لذت پرستی کا عنصر غالب آجاتا ہے۔

آغا بابر کے افسانے "زندگی کی شام"کا عارف جو کرکٹ کا کھلاڑی ہے وہ اس وقت تک کوئی کام نہیں کر سکتا جب تک کسی عورت سے ہم آغوش نہ ہو۔کرکٹ ٹیم کا کپتان سریش کہتا ہے:

"او تمہیں اس وقت شاید یہ پتہ بھی نہ تھا کہ اس بچے کا قریباً یہی دستور رہا ہے کہ مجھے ہر میچ پر اس کو کسی گرانڈریل عورت کے بستر سے اُٹھا کر لانا پڑتا ہے۔"(۱۴)

افسانہ "بیگانہ غم"کا انصاری بھی صرف عورتوں کو کھلاڑی ہے اوراس غم سے بے نیاز ہے۔وہ عورت کی چال پہچانتا ہے۔کبھی ریلوے اسٹیشن سے بچوں والی کو اپنے مکان پر لا رہا ہے تو کبھی ٹھیکیدار کی بیوی سے راہ رسم بڑھا رہا ہے۔کبھی نرس سے پینگیں بڑھا رہا ہے۔کبھی کام والی اس کے پیچھے آرہی ہے۔

"پرنس تلی"کا پرنس تلی بھی جنس زدہ مرد ہے۔وہ جنس کے میدان کا ہیرو ہے۔

اس ہیرو کے حوالے سے اقتباس ملاحظہ ہو:

"عورت کی چال سب کچھ بتا دیتی ہے۔برقع میں یا بغیر برقع۔اس کا سارا چلن اس کی چال میں ہوتا ہے۔اس لائن میں ہمارے بزرگ بڑا درک رکھتے ہیں۔چال کے ساتھ چلن کا لفظ لگا کر انہوں نے جو چال چلن کا لفظ ٹکسال میں ڈھالا ہے یہ ان کے گہرے مشاہدے اوراعلیٰ ذہانت کا بین ثبوت ہے۔"(۱۵)

آغا بابر کے افسانے "زندگی کی شام"کا عارف ہو یا"بیگانہ غم"کا انصاری، "پرنس تلی"کا پرنس ہو یا "شہسوار"کا انیس ان تمام کرداروں میں مشترک قدر جنسی جذبہ ہے جو مختلف صورتوں میں اپنا اظہار کرتا ہے۔

ISSN (**Print**): 2709-9636 | ISSN (**Online**): 2709-9644
Volume 2, Issue IV, (October to Decmber 2021)

مردانہ کرداروں کی تشکیل میں ان کی افسانہ نگاری کے مکمل جوہر نہیں کھلتے بلکہ ان کے نسوانی کرداران کے مشاہدے اوران کی ہنر مندی کی گواہی دیتے ہیں۔

آغابابر کے افسانوں کادوسرااہم اور بڑاموضوع فسادات کے نتیجے میں پیداہونے والے حالات ہیں۔ تقسیم ہند کے نتیجے میں پھوٹنے والے فسادات نے معاشی،معاشرتی اورسیاسی سطح پر انمٹ نقوش چھوڑے ہیں۔ان واقعات سے معاشرے کے تمام طبقات متاثر ہوئے۔یہی سبب ہے کہ شعراء اورادباء نے فسادات کے کرب کواپنے تخلیقات کا موضوع بنایا۔ان کے اشعار،افسانوں اورناولوں میں فسادات اوراس کے نتیجے میں پیداہونے والے حالات کوبڑی عمدگی کے ساتھ پیش کیا گیا۔ان حالات کے نتیجے میں نفسیاتی اور جذباتی سطح پر لوگوں کی فکر میں جو بنیادی تبدیلی آئی اس نے افسانے کی تکنیک،ہیئت اوراسلوب کو بھی متاثر کیا۔

اردوافسانہ نگاروں نے ان رنگارنگ اسالیب اور تکنیکوں کواستعمال کیا اور فسادات کے موضوع پر کئی شاہکار افسانے خلق کیے۔سعادت حسن منٹو،احمد ندیم قاسمی،کرشن چندر،غلام عباس،ممتاز مفتی،ہاجرہ مسرور،میرزا ادیب، انتظار حسین اور دوسرے بڑے افسانہ نگاروں کے ہاں فسادات اوراس کے نتیجے میں پیداہونے والے حالات کی مکمل تصویریں پورے پورے انسانی شعور کے ساتھ موجود ہیں۔آغابابر نے بھی تقسیم ملک کے نتیجے میں پیداہونے والے حالات وواقعات کواپنے افسانوں کا موضوع بنایا۔اگرچہ یہ ان کا پسندیدہ موضوع نہ تھامگر حالات کی کرب ناکی اورماحول کی شدت نے انہیں اس طرف متوجہ کیا۔آغابابر "اُڑن طشتریاں" کے پیش لفظ میں رقم طراز ہیں:

"فسادات پر جو افسانے لکھے گئے مجھے ان سے لہو کی بُو آتی ہے۔میں اس نہج پر چلنا نہیں چاہتا تھا۔"(۱۶)

آغابابر نے فسادات کے موضوع پر جوافسانے تخلیق کیے ان میں ایک خاص نوع کی دردمندی اور تڑپ دکھائی دیتی ہے۔سوزوگدازان افسانوں کی ہیئت میں شامل ہے۔غارت گری اور قتل وبربریت کے مناظر کوانہوں نے نہایت دردمندی کے ساتھ پیش کیاہے۔آزادی کی خاطر انسانیت کوجن آلام ومصائب سے گزرنا پڑا۔اس کا اظہار انہوں نے اپنے افسانوں میں منفرد انداز میں کیاجن سے دردناک مظالم،اغواء،قتل وغارت گری کے مناظر اُجاگر نہیں ہوتے بلکہ ایسی جزئیات اور باریکیاں سامنے آتی ہیں جن سے انسان اپنے کیے پر ندامت اور شرمندگی محسوس کرتا ہے۔

ISSN (**Print**): 2709-9636 | ISSN (**Online**): 2709-9644
Volume 2, Issue IV, (October to Decmber 2021)

فسادات پر لکھے گئے آغا بابر کے افسانوں میں "کبو"، "شاپ لفٹنگ"، "غلام زہرہ مذوّب"، "پرنس تلی"، "روح کا بوجھ"، "زندگی کی بات"، "نیا پاکستان"، "زنانہ کلب" اور "سبز پوش" اہم ہیں۔ فسادات کے موضوع پر ان کا بہترین افسانہ "کبو" ہے جو ایک منفرد تاثر کا حامل ہے۔ آغا بابر نے "کبو" میں کہیں فسادات کی خون ریزی کے مناظر کو پیش نہیں کیا مگر افسانے کے پس منظر میں کام کرنے والی پُراسرار خاموشی اور خوف زدہ فضا کو خوب صورتی کے ساتھ پیش کیا ہے:

> "شریف کی بیوی سہمی ڈری کھاٹ پر پڑی رہتی۔ کبو کو سمٹے مسکراتے دیکھتی تو اور گھبرا جاتی۔ ہوا میں جیسے انسان کے خون کی بُو ہو۔"(۱۷)

افسانے کا حاصل وہ المیہ ہے جس کا شکار شریف اور کبو (گلہری) ہوتے ہیں۔ افسانہ نگار نے بڑی فن کاری سے یہ دردانگیز تاثر پیدا کیا ہے کہ جو انسان ایک گلہری کی موت کا منظر برداشت نہ کرسکتے۔ فسادات نے ان پر خون ریزی مسلط کردی۔ افسانے کی آخری سطروں میں کبو کا اپنے مالک سے بچھڑنے کا منظر انتہائی دردناک ہے:

> "پلیٹ فارم ختم ہونے کے بعد کچی زمین آگئی۔ گاڑی تیز ہوگئی۔ کبو ایک ٹنڈ منڈ درخت کے ساتھ چمٹ گئی۔ اس کی مونچھیں کانپ رہی تھیں۔ اس کے کان کھڑے تھے۔ وہ اپنا دھڑ اوپر اُٹھائے ایک عجیب حیرانی اور مایوسی نگاہوں سے شریف کی طرف دیکھتا رہا۔ گاڑی دور ہوتی چلی گئی اور کبو محض ایک نقطہ نہیں۔ ایک داغ سا بن کر رہ گیا۔"(۱۸)

ڈاکٹر انوار احمد لکھتے ہیں:

> "کبو اپنے مالک سے بچھڑ جاتا ہے تو یوں محسوس ہوتا ہے کہ معصومیت انسان سے بچھڑ کر کسی درخت کے تنے سے سہمے ہوئے انداز میں چمٹی ہوئی ہے۔"(۱۹)

فسادات کے بعد کے حالات پر ان کا ایک افسانہ "شاپ لفٹنگ" ہے۔ اس افسانے کا مرکزی کردار جو عام حالات میں شاپ لفٹر تھا۔ ان اندوہ ناک حالات کے باعث اس نے اپنے آپ کو تبدیل کردیا۔ بازار سے گزرتے ہوئے وہ اپنی پرانی عادت کے مطابق ایک ریڑھی سے کچھ چیزیں چُرا لیتا ہے تو اسے ضمیر کچوکے دیتا ہے اور وہ اُٹھائی ہوئی چیزیں واپس ریڑھی پر رکھ دیتا ہے۔ آغا بابر نے فسادات کے پس منظر سے قتل و غارت گری کی مثالیں پیش کرنے کی بجائے اعلیٰ انسانی اقدار کو موضوع بنایا۔

فسادات کے حوالے سے ایک اورافسانہ "غلام زہر مذوّب" ہے۔اس افسانے کاموضوع بھی فسادات کے نتیجے میں تیزی سے بدلتی ہوئی انسانی اور اخلاقی قدریں ہیں۔غلام زہرہ جو تقسیم ملک سے پہلے ایک مذوّب سمجھی جاتی ہے اور ہر وقت عالم جذب میں رہتی ہے۔ تعویذ گنڈے بھی دیتی ہے۔ تقسیم ملک کے بعد وہ اپنے گھر سے بے گھر ہو کر سندھ کے ایک دورافتادہ علاقے میں جا کر ایک اڈا کھول کر لڑکیوں کو غلط کاری سکھانے کے جرم میں پکڑی جاتی ہے۔

فسادات کے پس منظر میں لکھا ہوا ایک اورافسانہ "زندگی کی بات تھی" ہے جس میں آغا بابر نے فسادات کو ایک نئے زاویے سے پیش کیا ہے۔اس افسانے میں انہوں نے اپنے آبائی شہر بٹالہ کو موضوع بنایا ہے۔ تقسیمِ ملک سے پہلے بٹالہ کا نقشہ پیش کیا اور پھر فسادات کی آگ نے اس شہر کو جس طرح تباہ وبرباد کیا اوراس کی صورت کو مسخ کیا۔ آغا بابر نے بہ چشم نم اپنے شہر کی تباہی وبربادی کو اپنے اس افسانے میں بیان کیا کہ کس طرح ہنستی مسکراتی زندگی پر جیسے اوس پڑگئی۔ سارا خاندان تہس نہس ہو کر رہ گیا۔زندگی کے سارے رنگ اُجڑ گئے۔

شگفتگی کا متوالہ اور پہاڑوں کا مسکن وہ شہر بٹالہ اُجڑ گیا جہاں بانکی سجیلی چال پر دولت لٹانے والے شہزادے زندگی داؤ پر لگادیتے۔ زندگی میں رنگ اور موسیقی بکھری ہوئی تھی۔ جس شہر میں گند اٹھانے والے بھی گانے گاتے تھے۔اس عہد کا اُجڑنا آنکھوں کو ویران تو کرتا ہے۔یوں یہ افسانہ بٹالہ کا شہر آشوب ہے۔

فسادات کے موضوع پر ان کا ایک افسانہ "نیاپاکستان" بھی اہمیت کا حامل ہے۔اس افسانے میں بدلتے ہوئے حالات کے مطابق رسم ورواج کی تبدیلی کی خواہش کو پیش کیا گیا ہے۔اس افسانے کا موضوع بدلتے ہوئے حالات کے تقاضوں کے مطابق نئے ذہنوں کے بدلتے ہوئے جذبات ہیں۔نئے ملک کے ساتھ نئے رسم ورواج کا تصور بھی بندھا ہوا تھا۔اگر ماحول، حالات اور قوانین پہلے جیسے رہے تو کس بنیاد پر اس کو نئے ملک کا نام دے سکتے ہیں۔ اقتباس ملاحظہ ہو:

> "نہایت مناسب ہے حشمت تمہاری طرف سے بھی آٹھ دس آدمیوں سے زیادہ نہیں ہونے چاہئیں۔
>
> حشمت بولا۔ مگر میرے دوسرے رشتہ دار کیا کہیں گے۔ میاں جی ہماری برادری میں آج تک ایسا نہیں ہوا۔
>
> تاجی بول پڑی۔ ابا! اگر ایسا نہ ہو تو پھر رسم ورواج کیسے مٹیں گے

ISSN (**Print**): 2709-9636 | ISSN (**Online**): 2709-9644
Volume 2, Issue IV, (October to Decmber 2021)

تاجی بیٹی رسم ورواج نہیں مٹیں گے۔

ابا اگر رسم ورواج نہ مٹے تو نیا پاکستان کیسے پیدا ہو گا۔"(۲۰)

فسادات کے موضوع پر آغا بابر کے افسانوں میں براہِ راست واقعات بیان کرنے کی بجائے پس منظر میں یا کسی اورانداز میں فسادات اور ان کے اثرات کو بیان کیا گیا ہے۔

آغا بابر کے افسانوں کا ایک اور اہم موضوع شہری زندگی کے گونا گوں مسائل بھی ہیں۔ان افسانوں کی پیش کش میں آغا بابر کا سماجی اور معاشرتی شعور پوری طرح ظاہر ہوتا ہے۔شہری زندگی کے مسائل کی عکسی کرتے افسانوں میں "حویلی"، "بیوگی"، "دستر خوان"، "وقت کی آنکھ" اور "اپنا کاروبار" شامل ہیں۔ان افسانوں میں مسائل، معاشرتی ناہمواری اور معاشی حقائق کو اُجاگر کیا گیا ہے۔

ان کا افسانہ "حویلی" مٹتی ہوئی تہذیبی اقدار کو سمیٹے ہوئے ہے۔یہ وہ حویلی ہے جو ایک تہذیب کی علامت تھی مگر وقت نے اس تہذیب کو روند ڈالا۔اس طرح اس حویلی کی روایات، انقلاب اور حالات کی نظر ہو گئیں اور مٹتی ہوئی تہذیب واقدار کو سہارا دیتی یہ نسل اپنی روایات کو قائم نہ رکھ سکی۔حویلی والوں کی اقدار تبدیلی کی وجہ سے مجروح ہوئیں۔افسانہ "حویلی" سے اقتباس ملاحظہ ہو:

"محلہ کے چٹھی رساں نے آکر کہا بیٹی کی شادی ہے۔کلثوم نے اس خیال سے کہ کیا کہے گا۔

ڈپٹی وقار احمد کی بیٹی نے وقت پر مدد نہ کی۔ہاتھ سے انگوٹھیاں اُتار کر دے دیں۔کہا جاؤ وقت پورا کرلو۔"(۲۱)

اب اس حویلی کے مکین اپنی گزر بسر کے لیے بھی پریشان دکھائی دیتے ہیں۔

افسانہ "بیوگی" بھی ایک ایسی لاچار اور بے بس عورت کی داستان ہے جو عین جوانی میں بیوہ ہو جاتی ہے اور محنت ومشقت اور جواں ہمتی سے اپنے چار بچوں کی پرورش کرتی ہے۔جب اس کے بچے جواں ہو کر اپنے اپنے گھر بار والے ہو جاتے ہیں تو گھر میں اس کی عزت وتوقیر گھٹ جاتی ہے۔وہ بچے جن کے لیے اس نے اپنی جوانی برباد کی تھی اور جن کی پرورش میں اس نے ایک مرد کی طرح شام وسحر کام کیا تھا۔وہ اس کے لیے اجنبی بن جاتے ہیں اور پھر مجبور ہو کر اپنے ہی بچوں کے گھروں میں چوریاں کرتی نظر آتی ہے۔

مٹتی ہوئی شہری تہذیبی اقدار کا ایک اور نمونہ افسانے "دستر خوان" میں بھی دکھایا گیا ہے۔اس افسانے کا مرکزی کردار ایک خاتون آپا کا ہے جو اپنے گھر میں ہمیشہ چار لوگوں کے لیے دستر خوان بچھائے رکھتی

ہے۔ جیسا بھی ہو وہ اس روایت کو نبھانے کے لیے تگ ودو کرتی ہے۔ اس عمل خیر کا رنگ اس کی سرشت میں موجود ہے۔ اس لیے وہ مہمان نوازی اور کشادہ دلی کی صفت کو ہمیشہ قائم رکھتی ہے۔

آغا بابر کے افسانوں میں نچلے طبقے کے مسائل بھی بیان کیے گئے ہیں۔ نچلے طبقے کی نمائندگی کرتے افسانوں میں "پھول کی کوئی قیمت نہیں"، "لکڑی والا"، "جیسے کوئی چیز ٹوٹ گئی"، "مسیحائی" اور "رات والے" شامل ہیں۔ آغا بابر نے نچلے طبقے کی کسمپرسی اور بدحالی کو بڑی چابک دستی اور ہنرمندی کے ساتھ اپنے افسانوں میں پیش کیا ہے۔

طبقاتی کش مکش کے سلسلے میں آغا بابر کا افسانہ "لکڑی والا" بھی ایک اہم اور نمائندہ افسانہ ہے۔ اس افسانے کے ذریعے بھی آغا بابر نے معاشرتی اونچ نیچ کو واضح کر دیا ہے۔ گرانی اور مہنگائی کے زمانے میں متوسط طبقہ جس طرح زندگی کے سلسلے کو جاری رکھے ہوئے ہے اسے بڑی خوب صورتی سے اس افسانے کے کینوس میں سجایا گیا ہے۔ بیگم صاحبہ لکڑی والے کا بل کب سے روکے بیٹھی ہیں جب وہ خود بل لے کر اس کے دروازے پر جاتا ہے تو وہ اسے اپنے مسائل اور پریشان حالی سے آگاہ کرتی ہے۔ لکڑی والے کا دل پسیج جاتا ہے اور وہ اس کسمپرسی میں اس کی مالی مدد کرنے کے لیے تیار ہو جاتا ہے اور بل بعد میں ادا کرنے پر نہ صرف راضی ہو جاتا ہے بلکہ جو پیسے موجود تھے وہ بھی بیگم صاحبہ کو مدد کے لیے دے دیتا ہے۔

آغا بابر نچلے طبقے کے بڑے دل اور حوصلے کو اس افسانے میں بیان کیا ہے۔ نچلے طبقے کے مسائل کی نمائندگی کرتا ایک اور افسانہ "جیسے کوئی چیز ٹوٹ گئی" بھی اہمیت کا حامل ہے۔ اس افسانے میں آغا بابر نے تینوں طبقوں کے موازنہ ومقابلہ کیا ہے۔ اعلیٰ طبقے کے لوگوں کے گھروں میں ایک متوسط طبقے سے تعلق رکھنے والا ادیب جب جاتا ہے تو وہ اردگرد موجود نچلے طبقے کے لوگوں کے مسائل سے نہ صرف دکھی ہوتا ہے بلکہ ان کا حل بھی چاہتا ہے۔

آغا بابر نے نچلے طبقے کی کسمپرسی اور بدحالی کو بڑی چابک دستی اور ہنرمندی کے ساتھ اپنے افسانوں میں پیش کیا ہے۔ متذکرہ بالا افسانے پر ترقی پسندانہ خیالات کا اثر دکھائی دیتا ہے۔ افسانہ نگار نے پاکستان کے نظام پر بھی کڑی تنقید کی ہے کہ جو طبقاتی کش مکش کو پیدا کرنے کا بڑا محرک ہے معاشرتی انتشار اور پھوٹ کا سبب یہی کش مکش ہے جو نظام کی پیدا کردہ ہے۔ انہیں اس بات کا شدید دکھ ہے کہ سرمایہ دار اور دولت مند طبقہ اپنی ضرورت کی ہر شے پیسوں کے عوض خرید لیتا ہے۔

متوسط طبقے سے تعلق رکھنے والا ادیب جب ایک اعلیٰ اور سرمایہ دار طبقے کے نمائندہ گھر میں بطور مہمان رہنے کے لیے جاتا ہے تو اس متمول اور سرمایہ دار طبقے کی عالی شان زندگی کی عیاشانہ جھلک ملاحظہ ہو:

> "کتنی دلچسپ بات تھی کہ میں تیس(۳۰)خاندانوں میں سے ایک خاندان کا مہمان ہو رہا تھا۔ میرا کمرا ڈینتیس فرنیچر سے آراستہ تھا۔ دی ورپیل ایئرکنڈیشنر لگا ہوا تھا۔ فوم ربڑ کا ڈبل بیڈ تھا جس کے فرش پر اعلیٰ قسم کے قالین بچھے تھے۔ کمرے کی دیواروں میں جدید طرز کے بنے ہوئے طاقچے بلغاریہ، روس اور امریکہ کی بنی ہوئی زیبائش چیزوں سے آراستہ تھے۔ ملحقہ غسل خانے کی ٹائلیں چم چم کر رہی تھیں۔ دیوار گیر سٹینڈ پر گلابی رنگ کا تولیہ لٹک رہا تھا۔ سبز رنگ کے واش بیسن پر صابن کی سفید ٹکیہ میرے انتظار میں چھوٹا سا پھول بنا دکھائی دے رہی تھی۔"(۲۲)

اس معاشرے میں سانس لینے والے دوسرے طبقے کی کسمپرسی اور حالت زار کا نقشہ انہوں نے یوں کھینچا ہے:

> "صاحب جی۔ گزارہ نہیں ہوتا۔ فاقے بھی کرنے پڑتے ہیں۔ بچوں کو پڑھانا بڑا مشکل ہے۔ میں کیا دکھ بتاؤں آپ کو۔ دکھ بتانے کے لیے نہیں ہوتا سینے کے لیے ہوتا ہے۔ اس نے یہ بات اس لہجے سے کی کہ مجھے بڑا حوصلے والا شخص معلوم ہوا۔ میں نے دوبارہ اس کی طرف غور سے دیکھا۔ وہ حقہ لیے یوں اعتماد سے بیٹھا تھا جیسے زمین کی تمام حاملہ مٹی اس کے پاؤں کے نیچے اکٹھی ہو گئی ہے اور وہ اس طرح سے تمام زمین کا واحد نمائندہ بن گیا ہے۔ پھر میری نگاہ چولہے کے سامنے بیٹھی اور اس عورت کی طرف سے ہو کر بیمار لڑکی کی کھٹولی کا چکر لگا کر چارہ کھانے والے سانڈ پر رک گئی جو گھر کا واحد کفیل ہے اور کل کے بننے والے کفیل دو نونہال جو گھر سے خالی پیٹ روانہ ہو چکے تھے۔"(۲۳)

آغا بابر کو فنونِ لطیفہ سے گہری دلچسپی تھی۔ اس لیے انہوں نے فنونِ لطیفہ سے جڑے ہوئے فن کاروں اور آرٹسٹوں کی زندگی میں ان کے انفرادی رویوں اور ان کی مشکلات اور پریشانیوں کو بھی اپنے افسانوں کا موضوع بنایا ہے۔ "بادِ صحرا"، "نہ آئیں تم کو محبتیں کرنیں"، "جمال"، "واردات"، "تلاش"، "ہمیں مکتب وہمیں مُلّا" اور "خس کم" انہی لوگوں کے جذبات واحساسات اور ان کی نفسیات کے مختلف زاویوں کو سامنے لاتے ہیں۔

ISSN (**Print**): 2709-9636 | ISSN (**Online**): 2709-9644
Volume 2, Issue IV, (October to Decmber 2021)

"بادِ صحرا" افسانہ اس موضوع پر آغا بابر کی بہترین تخلیق ہے۔ آغا بابر کا تعلق آرٹ کی تمام اقسام سے جڑا رہا۔ وہ چاہے ڈراما ہو یا موسیقی یا مصوری۔ اس کہانی میں آغا بابر نے ایک باغی مصور کی زندگی کو کہانی کے پیرائے میں ڈھال کر اس کا تصورآرٹ بیان کیا ہے جو نیوڈ مصوری کا بادشاہ ہے۔ نیوڈ تصویر بناتے ہوئے صرف اپنے آرٹ پر فوکس رکھتا ہے۔ کسی بھی قسم کی جنسی کشش اس کو متاثر نہیں کرتی اور جب کوئی ایسی عریاں تصویر مکمل ہوتی ہے تو اس کا جنسی ہیجان سکون پاجاتا ہے۔

"اگلے روز وہ نہایت خوش خوش دفتر گیا۔ کتنی بڑی بات تھی کہ اُس نے ایک عریاں تصویر مکمل کر لی تھی۔ اس کا جذباتی ہیجان اُترتی لہروں کی طرح سکون پر آچکا تھا۔"(۲۴)

آغا بابر کے افسانوں کا ایک اور موضوع تنگ نظری، ضعیف الاعتقادی اور مذہبی انتہاپسندی بھی ہے۔ "زنانہ کلب"، "غلام زہر مذوّب"، "چال چلن" اور "سبز پوش" میں آغا بابر نے اس تنگ نظری، ضعیف الاعتقادی اور مذہبی انتہاپسندی کو ہدفِ تنقید بنایا ہے۔

آغا کے ہاں کچھ افسانوں میں محبت کی طاقت اور رومانوی جذبات کی ترجمانی بھی ملتی ہے۔ اگرچہ انہوں نے جنس پر زیادہ لکھا مگر "محبت مسبب"، "سبز پوش" اور "حُب کا تعویذ" اس حوالے سے نمائندہ افسانے ہیں۔

"محبت مسبب" اس حوالے سے اہم افسانہ ہے جس کا مرکزی کردار مُتّایوں تو تمام برائیاں رکھتا ہے مگر جب یہ دہشت ناک مُتّا محبت کی راگنی الاپتا ہے تو وہ سب کچھ بھول جاتا ہے۔ آغا بابر نے اس افسانے میں محبت کی طاقت کو بیان کیا۔ افسانہ کا معنی خیز اختتام ملاحظہ ہو:

"محبت مسبب، محبت مسبب، محبت سے ہوتے ہیں کارِ عجب۔"(۲۵)

طوائف کے موضوع کی نمائندگی کرتے آغا بابر کے دو افسانے "اللہ جانتا ہے" اور "چٹھی رساں" اہم ہیں۔ "اللہ جانتا ہے" افسانہ کا موضوع طوائف ہے۔ اس افسانہ کا مرکزی کردار سلامت اپنی پرانی داشتہ قمری سے ملنے کافی عرصے کے بعد آتا ہے۔ طوائف کی نفسیات، اس کی زندگی، اس کی سوچ اور اس کے بدلتے ہوئے حالات کی بہترین ترجمانی اس افسانے میں کی گئی ہے۔ اس افسانے کے معنی خیز جملے ملاحظہ ہوں:

"مگر طوائف کی بحالیات کا کام پاکستان میں کون کر رہا ہے۔ یہ اللہ جانتا ہے کوئی کر رہا ہے یا غیب سے ہو رہا ہے۔"(۲۶)

ISSN (**Print**): 2709-9636 | ISSN (**Online**): 2709-9644
Volume 2, Issue IV, (October to Decmber 2021)

"چچی رساں" آغا بابر کی بہترین تخلیق شمار ہوتا ہے۔ یوں تو "چچی رساں" کا موضوع تو ادھیڑ عمر مرد کی جنسی خواہشات ہیں مگر اس موضوع کے پس منظر میں طوائف اوران کی تہذیب اور ماحول کی بہترین عکاسی کی گئی ہے۔

آغا بابر نے جس بھی موضوع پر قلم اُٹھایا بہترین کہانی تخلیق کی۔ ان کے ہاں موضوعات میں اتنا تنوع نہیں اور جنس ان کے ہاں سب سے اہم موضوع محسوس ہوتا ہے مگر محض جنس کا لیبل لگا کر ہم آغا بابر کے افسانوں کو محدود قرار نہیں دے سکتے۔ انہوں نے جنس کے علاوہ دیگر اہم مسائل کو بھی اپنے افسانوں کا موضوع بنایا ہے۔ ان کے جنسی موضوعات میں بھی تنوع اور رنگا رنگی موجود ہے۔ انہوں نے تخیل کی کار فرمائی اور مشاہدے کی رعنائی سے افسانوں میں ایسے رنگ بھرے ہیں جو قاری کی توجہ اِدھر اُدھر نہیں ہونے دیتے۔

آغا بابر نے جنسی مسائل پر جس بے باکی اور وضاحت سے قلم اُٹھایا وہ ان کے حقیقت پسندانہ ذہن کا غماض ہے۔ انہوں نے جنس کے زیر اثر پیدا ہونے والی کیفیات اور نفسیات کی ایسی عمدہ تصویریں پیش کی ہیں جو اپنی مثال آپ ہیں۔ ان پر فحاشی اور عریاں نگاری کا الزام بھی لگایا گیا۔ ان کے افسانوں کے خلاف مقدمات بھی درج ہوئے مگر ان کی بعض کہانیوں میں وہ اپنے بیان کی سحر انگیزی سے قاری میں طلسمی حیرت کی لہر پیدا کر دیتے ہیں۔

آغا بابر جیسے ماہر افسانہ نگار کے لیے ڈاکٹر جمیل جالبی کی رائے ملاحظہ ہو جو ان کے افسانوں کی خصوصیات کو واضح کرتی ہے:

> "آغا بابر جدید اردو افسانے کی تاریخ کا وہ اہم نام ہے جسے اردو ادب کا مورخ ہر گز نظر انداز نہیں کر سکتا۔ وہ اردو افسانے کے اس سنہرے دور سے تعلق رکھتے ہیں جو ۱۹۴۷ء کے لگ بھگ اپنے عروج پر تھا۔۔۔ آغا بابر کے افسانوں میں دو چیزیں مجھے ہمیشہ متاثر کرتی ہیں ایک خلوص فن اور دوسری وہ دھیمی فن کارانہ منصوبہ بندی جو دلوں کو رام کر لیتی ہے۔"(۲۷)

حوالہ جات

۱۔ آغا بابر، حرفِ آغاز، اُڑن طشتریاں، گوشۂ ادب، لاہور، ۱۹۵۷ء، ص:۹

۲۔ آغا بابر، مواد، مشمولہ، اُڑن طشتریاں، گوشۂ ادب، لاہور، ۱۹۵۷ء، ص:۱۲۰

۳۔ ڈاکٹر سلیم اختر، اُردو ادب کی مختصر ترین تاریخ، سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۸۹ء، ص:۵۱۸

۴۔ ڈاکٹر انوار احمد، اردو افسانہ تحقیق و تنقید، بیکن بکس، ملتان، ۱۹۸۸ء، ص:۴۸۸

۵۔ آغا بابر، حرفِ آغاز، اُڑن طشتریاں، گوشۂ ادب، لاہور ۱۹۵۷ء، ص:۶

۶۔ ڈاکٹر انوار احمد، اُردو افسانہ ایک صدی کا قصہ، کتاب نگر، لاہور، ۲۰۱۷ء، ص:۲۹۶

۷۔ آغا بابر، خالہ تاج، مشمولہ کہانی بولتی ہے، فیروز سنز، لاہور، ۱۹۸۹ء، ص:۸۶

۸۔ آغا بابر، باجی ولایت"، مشمولہ اُڑن طشتریاں، گوشۂ ادب، لاہور، ۱۹۵۷ء، ص:۲۱

۹۔ ڈاکٹر انور سدید، اردو ادب کی تحریکیں، انجمنِ ترقی اردو، کراچی، ۹۸۔۱۹۹۷ء، ص:۵۸۳

۱۰۔ آغا بابر، نسوانی آواز، مشمولہ کہانی بولتی ہے، فیروز سنز، لاہور، ۱۹۸۹ء، ص:۶۲

۱۱۔ ایضاً، ص:۳۱

۱۲۔ آغا بابر، حرفِ آغاز، مشمولہ اُڑن طشتریاں، گوشۂ ادب، لاہور، ۱۹۵۷ء، ص:۱۴

۱۳۔ آغا بابر، سروے، مشمولہ پھول کی کوئی قیمت نہیں، فیروز سنز لمیٹڈ، لاہور ۱۹۸۶ء، ص:۲۴۳

۱۴۔ آغا بابر، زندگی کی شام، مشمولہ چاک گریباں، مکتبہ جدید، لاہور، ۱۹۴۸ء، ص:۹۸

۱۵۔ آغا بابر، پرنس تلی، مشمولہ اُڑن طشتریاں، گوشۂ ادب، لاہور، ۱۹۵۷ء، ص:۲۱۸

۱۶۔ آغا بابر، حرفِ آغاز، مشمولہ اُڑن طشتریاں، گوشۂ ادب، لاہور، ۱۹۵۷ء، ص:۱۶

۱۷۔ آغابابر، کبو، مشمولہ لبِ گویا، گوشۂ ادب، لاہور، ۱۹۵۶ء، ص:۲۲

۱۸۔ ایضاً، ص:۲۵

۱۹۔ ڈاکٹر انوار احمد، اُردو افسانہ ایک صدی کا قصہ، کتاب نگر، لاہور، ۲۰۱۷ء، ص:۲۹۷

۲۰۔ آغابابر، نیا پاکستان، مشمولہ پھول کی کوئی قیمت نہیں، فیروز سنز لمیٹڈ، لاہور، ۱۹۸۶ء، ص:۲۳۳

۲۱۔ آغابابر، حویلی، مشمولہ اُڑن طشتریاں، گوشۂ ادب، لاہور، ۱۹۵۷ء، ص:۵۳۔ ۵۲

۲۲۔ آغابابر، جیسے کوئی چیز ٹوٹ گئی، مشمولہ پھول کی کوئی قیمت نہیں، فیروز سنز، لمیٹڈ، لاہور، ۱۹۸۶ء، ص:۳۹۔۳۸

۲۳۔ ایضاً، ص:۵۷

۲۴۔ آغابابر، بادِ صحرا، مشمولہ پھول کی کوئی قیمت نہیں، فیروز سنز، لاہور، ۱۹۸۶ء، ص:۹۸

۲۵۔ آغابابر، محبت مسبب، مشمولہ چاک گریباں، مکتبہ جدید، لاہور، ۱۹۴۸ء، ص:۲۲۸

۲۶۔ آغابابر، اللہ جانتا ہے، مشمولہ کہانی بولتی ہے، فیروز سنز لمیٹڈ، لاہور، ۱۹۸۹ء، ص:۱۲۷

۲۷۔ ڈاکٹر جمیل جالبی، (بیک فلیپ)، کہانی بولتی ہے، فیروز سنز لمیٹڈ، لاہور، ۱۹۸۹ء